*International Journal of Islamic Studies & Culture* *ISSN-2709-3905*
https://ijisc.com.pk/index.php/IJISC/index *PISSN2709-3891*
(Volume.4, Issue.4 (2024)

# Tahira Iqbal Key Novel "Neeli Bar" Main Nisai Masail ka Tahqiqi Jaiza

## طاہرہ اقبال کے ناول "نیلی بار" میں نسائی مسائل کا تحقیقی جائزہ

**Sabra Rasheed**[1]
Ph.D Scholar
**Dr. Shagufta Firdous**[2]
Assistant Professor, Department of Urdu, G.C Women University Sialkot
Email: shaguftafirdous@gcwus.edu.pk

**Abstract**

Tahira Iqbal is considered to be among one of the best writers of Urdu Literature. Her themes, use of language, style make her a unique writer of our age. She understand society and people, satire and a not of rebellion against the brutal exploitation of women. Her writing show a deep sympathy for those women who fall a victim to social, economic, political and physical exploitation in our society. Her novel "Neeli Bar" shows all here major qualities as a master artist in the field of novel writing. The novel "Neeli Bar" touches some aspects, particular of feminism. It brings out her deep observation of our society, where women become a target of humiliation and exploitation by the men belonging to the elite land lords and so called religious leaders called "Pirs". In this novel Tahira Iqbal has presented her point of view through some female characters named Safoora, Bakhtawer, Azra and Zara. Most of these characters face the same destiny, though in different context and situations. The aim is certainly to make the people realize how women are being treated brutally and mercilessly by feudal and so called lords are elite.

**Keywords**: Novel, Feminism, Reality, Satire, Rebellion, Exploitation, Sympathy, Brutally, Pirs, Observation, Humiliation, Context, Female Characters, Land Lords.

نسائیت کا لفظ نساء سے مشتق ہے۔ جس کا اردو کی مختلف لغات میں مطلب عورت پن، زنانہ پن، زنانہ خصوصیات، نزاکت، کمزوری، ناقص العقل، عورتوں کی خصوصیات وغیرہ ہیں۔ لاطینی اصطلاح میں "Femina" اس کے مترادف ہے۔ جس سے مراد عورت کے بارے میں بات کرنا ہوتا ہے۔ نسائیت پر بات کرنے والے کو "Feminist" کہا جاتا ہے۔ "Feminism" کو اردو ادب میں نسائی مسائل منظر عام پر لانے کا عمل قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس طرح "Feminist" وہ ادیب ہیں جو عورت کے مسائل کا ذکر اپنی تحریروں میں کرتے ہیں۔ اردو ادب میں فیمینزم مغربی اثرات اور روایات کی روشنی میں آیا۔ اس کے ذریعے برصغیر میں صنف نازک یا عورت کی حالت، مسائل، استحصال اور حقوق کے غصب ہونے کا ذکر کیا جاتا ہے۔ عورت کا استحصال زمانہ قدیم سے جاری ہے۔ چنانچہ فیمینسٹ (تانیثیت) تحریک کے زیر اثر برصغیر پاک و ہند میں ناول نگاروں، ڈراما نگاروں، افسانہ نگاروں اور شاعروں نے مسائل نسائیت کو اپنی تحریروں کے ذریعے اجاگر کرنے کی کوشش کی۔ اردو ادب کے آغاز ہی سے ایسے ناول تحریر کیے گئے جن کا مقصد عورت کی تعلیم و تربیت کے ساتھ اسے اس کے حقوق کا احساس دلانا اور معاشرے میں باعزت مقام دلانے کی ایک کوشش کرنا تھی۔ آہستہ آہستہ مرد اور خواتین مصنفین نے ایسے ناول اور افسانے تحریر و تخلیق کیے جن کے ذریعے عورت کے معاشی، جسمانی اور جنسی استحصال کو بے باکی سے منظر عام پر لایا گیا۔ ادب کا مقصد زندگی کے مختلف پہلوؤں کی عکاسی ہوتا ہے۔ ایک ادیب تبھی خوبصورت ادب تخلیق کر سکتا ہے جب وہ اپنے ارد گرد کے ماحول اور معاشرے کو نہ صرف گہرائی تک سمجھتا ہے۔ بلکہ اسے الفاظ کی صورت میں بیان کرنے کے لیے اس کے پاس ایک حساس دل اور قوت بیان ہو۔ طاہرہ اقبال افسانہ نگار، کالم نگار، نقاد اور ناول نگار کی حیثیت سے اردو ادب میں

خاص مقام رکھتی ہیں۔انہوں نے ریخت، سنگ بستہ، گنجی بار، زمین رنگ، نگیں گم گشتہ کے علاوہ تین ناول ''نیلی بار''، '' گراں ''اور '' ہڑپا'' لکھے۔اردو ناول کی روایت میں عصری حاضر کے مسائل کی عکاسی کے ساتھ طبقہ نسواں کے مسائل کو جن خواتین نے خاص طور پر اُجاگر کیا اُن میں رشید جہاں، عصمت چغتائی، خدیجہ مستور، نثار عزیز بٹ، بانو قدسیہ، جمیلہ ہاشمی، خالدہ حسین، اور نیلم احمد بشیر اور عصر حاضر میں طاہرہ اقبال شامل ہیں۔اُن کا خیال ہے کہ ایک عورت دوسری عورت کے مسائل اور زندگی سے جڑے دوسرے پہلوؤں کو کسی مرد کے مقابلے میں زیادہ بہتر سمجھ سکتی ہے کیوں کہ وہ بھی اسی خمیر سے بنی ہے۔اس لیے طاہرہ اقبال کے ناولوں میں عورتوں کے معاشرتی، معاشی، نفسیاتی اور تعلیمی مسائل کی بھرپور عکاسی ملتی ہے۔

طاہرہ اقبال 1960ء میں پنجاب کے ضلع ساہیوال میں پیدا ہوئیں۔اُن کا تعلق روائتی زمیندار گھرانوں سے مختلف تھا جہاں ادب سے محبت کی جاتی تھی اس لیے اس لیے لڑکیوں کے تعلیم حاصل کرنے اور علمی سرگرمیوں پر حوصلہ افزائی کی جاتی تھی۔ وہ نہایت حساس طبیعت کی حامل مصنفہ ہیں اس لیے انہوں نے اپنے ارد گرد کے ماحول کو یکھا اور پرکھا۔انہوں نے اپنے ارد گرد رونما ہونے والے واقعات کا بغور مشاہدہ کیا اور اسے اپنے فن سے آمیز کر کے اپنی ناول نگاری کے موضوعات میں ڈھالا۔ طاہرہ اقبال نے پاکستان کے پسماندہ خطوں میں بسنے والی عورت کی حالت زار کا انتہائی عمیق مشاہدہ کیا۔ وہ درد مند دل رکھنے والی خاتون ہیں اُنہوں نے اس کرب کو اپنی تحریروں میں سمو کر بہت مؤثر، حقیقی اور خوبصورت انداز میں اپنے ادب پاروں میں پیش کیا۔۔انہوں نے ایک روزنامے میں خواتین کے لیے ''توجہ طلب'' کے نام سے مخصوص کالم بھی لکھ کر بھی نسائی مسائل کو منظر عام پر لانے کی کوشش کی۔۔اُنہوں نے اپنے مخصوص اسلوب، موضوعات، کردار نگاری اور فن ناول نگاری کی خوبیوں کی وجہ سے اردو ادب میں اپنی ایک الگ پہچان بنائی ہے۔

" نیلی بار "طاہرہ اقبال کا پونے چھ سو صفحات پر مشتمل شاہکار ناول ہے جو جہلم بک کارنر سے شائع ہوا۔اس کے موضوع کی بے باکی اور حقیقت نگاری کے باعث بڑے ادبا نے بہت سراہا . یہ وسطی پنجاب کے علاقے سے تعلق رکھنے والے افراد کی کہانی ہے۔طاہرہ اقبال کے ناولوں کا نمایاں موضوع عورت کی خوشیاں، محبتیں، محرومیاں اور الجھنیں ہیں۔ان سب موضوعات کو طاہرہ اقبال نے اپنی کہانیوں میں بڑی مہارت سے بیان کیا ہے۔ عمیر منظر نے طاہرہ اقبال کی تخلیقی صلاحیتوں کو سراہتے ہوئے لکھا کہ :

> ''عورت کی کمزوری طاہرہ اقبال کی بھی کمزوری ہے۔ مگر اس کی کمزوری کو انہوں نے جس طرح پیش کیا ہے اس میں نہ تو جانب داری ہے اور نہ کسی چیخ و پکار کی گنجائش بلکہ یہ تو زندگی کے جبر اور سنگ دلی کا ایک تخلیقی اظہار ہے۔(1) ''

طاہرہ اقبال نے ''نیلی بار'' میں اپنے مخصوص خطے کی زندگی کی ترجمانی بہت حقیقی اور خوبصورت انداز میں کی ہے۔انہوں نے نہ معاشرتی، معاشی اور مذہبی ماحول اور روایات کو منظر عام پر لانے کی کوشش کی ہے۔بلکہ ان کے ناول میں مجموعی طور پر صوبہ پنجاب کی زندگی کی عکاسی کی گئی ہے۔وہ اس خطے کے معاشرتی پہلوؤں بلکہ اس علاقے کی خواتین کی حالت زار اور مسائل سے بھی بخوبی آشنا ہیں جہاں امیر و غریب کا فرق صاف دکھائی دیتا ہے۔ نیلی بار کا کردار ملک فتح شیر اور اس کا خاندان بھی اپنے علاقے میں ویسی ہی مرکزی حیثیت کا حامل تھا جب کہ وہاں کی عورتیں "حقوق" کے لفظ سے بھی ناآشنا تھیں۔ یہاں معاشرے کے لیے وڈیروں اور پیروں کی خدمت کرنا ایک فرض کا درجہ اختیار کر چکا ہے۔ مردوں کی طرح یہاں عورتیں بھی پیروں اور وڈیروں کے لیے محض کمی کمین بن چکے ہیں۔ حتیٰ کہ انہیں مسلّی "جیسے القاب سے نوازا جاتا ہے۔ جس کا اصل مقصد ان کی تذلیل اور انہیں ان کی غربت اور کم مائیگی کا احساس دلانا ہے۔

طاہرہ اقبال نے "نیلی بار" میں نسائی مسائل کو اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔ غریب خواتین یہاں تقریباً بالکل بے وقعت اور لاچار دکھائی دیتی ہیں۔اس ناول میں عورت کو محض گھرداری کے کاموں اور جنسی تسکین کے ایک ذریعے کے طور پر دکھایا گیا ہے۔ حتیٰ کہ ملک فتح شیر کے خاندان کی عورتوں کو بھی کوئی حقوق میسر نہیں۔ عورت کو وہاں بھی

پاؤں کی جوتی بنا کر رکھا جاتا ہے۔ خاندان کے فیصلے مرد حضرات ہی کرتے ہیں۔ ملک فتح شیر ایک ایسا انسان ہے جس کی سخت گیری نزدیک گاؤں کی یا علاقے کی کوئی بھی عورت اس کی مرضی کے خلاف نہیں چل سکتی۔ وہ کسی بھی مزارعے کی بہن، بیوی یا بیٹی کو جب چاہے اپنے بستر کی زینت بنا سکتا ہے۔ اس سے دراصل یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس وڈیرہ شاہی یا جاگیر دارانہ نظام میں عورت کو کس قدر بے بس اور بے وقعت بنا دیا جاتا ہے۔ یہاں کی عورت کی عزت نفس اور عصمت کا قتل کیا جاتا ہے۔ جب چاہے مرد اسے اپنی جسمانی تسکین کے لیے استعمال کر سکتا ہے۔ اسی طرح اسے گھر داری کے کاموں سمیت گھر سے باہر کھیتی باڑی سے لے کر ایسے تمام امور میں غلاموں کی طرح سلوک کیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس علاقے میں خواتین کا بدترین جسمانی، معاشی اور معاشرتی استحصال جاتی رہا۔ اس ناول میں عورتوں کے دل سے شدید ترین استحصال کے خلاف کوئی بغاوت کا جذبہ دکھائی نہیں دیتا۔ یہاں کی عورت نے اپنی بے وقعت، بے توقیر اور غلاموں جیسی زندگی بسر کرنے کو اپنی قسمت سمجھ کر قبول کر لیا تھا۔ اور ان کی زندگیاں محض اطاعت گزاری اور فرماں برداری کی علامت دکھائی دیتی ہیں۔ حتیٰ کہ فتح شیر کے گھرانے کی عورتیں ذیلدار کے گھر کے نسائی کردار اور پیر خانے میں پیر صاحب کے اپنے خاندان کی خواتین سمیت سب میں ایک مشینی انداز کی فرماں برداری اور اطاعت گزاری دکھائی دیتی ہے۔ طاہرہ اقبال نے ''نیلی بار'' کی معاشرت کی جو تصویر پیش کی ہے اس میں مرد کے لیے عورت کو اپنے طابع رکھنا بہت آسان ہے۔ اس ناول کے نسائی کرداروں کے ذریعے طاہرہ نے نسائی مسائل کی بھرپور عکاسی کی ہے :

> ''یہ ابھی بھی ساسوں کی طرح طعنوں کے تکلوں میں پروئی جاتی ہیں۔ مشقت کی چلم میں سلفے کی طرح لاٹ دکھا کر جل بجھتی ہیں۔ یہ ابھی بھی آٹے کی ڈرمی کو، گٹر کے کنستر کو ساس کی پیشگی اجازت کے بغیر چھو نہیں سکتیں۔ یہ شوہر کی فالتو توانائیوں کے نکاس کی بدروئیں تو ہیں لیکن ان کی کمائیوں کی کسی چھینٹ کی مستحق نہیں ہیں۔)''2(

"نیلی بار" میں ممبر اسمبلی اور پارلیمنٹ کے وفاقی وزیر "ملک فتح شیر" کے کردار کے زریعے طاقتور طبقے کے گھناؤنے جرائم کو بے نقاب کیا گیا جہاں یہ درندہ صفت انسان علاقے سے گزرنے والی باراتوں تک کو لوٹنے کے لیے اپنے پالتو ڈکیتوں کو استعمال کرتا اور دلہن اور خوبصورت لڑکیوں کو اغوا کر کے فتح شیر کی حویلی میں پیش کرنا معمول تھا۔ جنہیں وہ اپنی جنسی درندگی کا شکار بنانے میں کسی قسم کی شرم یا قباحت محسوس نہیں کرتا۔ ست بھرائی اور بارات کی کچھ اور لڑکیوں کو اغوا کر کے ملک فتح شیر کی خواب گاہ میں لے جایا جاتا ہے جہاں وہ پہلے اس کی ہوس کا شکار ہوتی ہیں اور بعد میں انہیں حویلی میں موجود ڈکیتوں اور قاتلوں کے حوالے کیا جاتا ہے۔ جسمانی تسکین کے لیے ست بھرائی کی صورت میں ملک فتح شیر کا بیٹا عبدالرحمٰن اس گھناؤنی دوڑ میں باپ سے آگے نکل جاتا ہے۔ باپ کی عیاش صفت اور جنسی غلاظت اس کے بیٹے میں بھی در آتی ہے اور وہ اس خوبصورت دلہن ست بھرائی کو اپنے ڈیرے لے جا کر اسے جنسی تشدد کا نشانہ بناتے ہوئے " ست بھرائی" سے کہتا ہے:

> ''میں تجھے یونہی امن وامان چھوڑ سکتا ہوں لیکن یہ بڈھا چڑی مار تجھے نہیں چھوڑے گا۔ جب تو بچے گی نہیں تو پھر میں کیوں نہیں۔ وہ بڈھا کیوں۔(3)''

''ست بھرائی'' بھی اسی مٹی کی پیداوار ہے۔ وہ ذہنی طور پر عبدالرحمٰن کی محبت میں پاگل ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ اس کے لیے یہ احساس ہی کافی تھا کہ وہ اس علاقے کے جاگیر دار کے بیٹے کے ساتھ رہ رہی ہے۔ یہ واقعہ ظاہر کرتا ہے کہ کیسے یہ مجرمانہ صفت جاگیر دار اپنے علاقے کے سماج کی شکل کو بگاڑتے ہیں۔ اور وہاں بسنے والے لوگوں کے ذہنوں سے اخلاقیات کی رمق تک مٹا دیتے ہیں۔ ملک فتح شیر کی بیوی کو اپنے شوہر کی تمام مجرمانہ سرگرمیوں کا علم تھا لیکن اس مخصوص معاشرت میں عورت کو جبر کے ذریعے یہی سکھایا جاتا ہے کہ اس نے ہر حال میں خاموش رہنا ہے اور اپنے شوہر یا حویلی کے دوسرے مردوں کے کسی بھی مجرمانہ فعل اور بداعمالی پر نہ تو کوئی احتجاج کرنا ہے اور نہ ہی کوئی آواز اٹھانی ہے۔ بلکہ ایک خاموش تماشائی کی طرح یہ سب کچھ صبر سے برداشت کرنا ہے۔ بڑی ملکانی کس قدر بے بسی سے اپنے بیٹے کو باپ کے خلاف جانے سے روکتی ہے:

''پھر پکڑ لایا میمنیوں کو بڈھا بھیڑیا، ماں نے آنسوؤں سے ڈبڈباتی آنکھوں سے لڑکے کو تنبیہ
کی۔ باپ ہے تیرا۔ یہی تو دکھ ہے کیوں ہے باپ میرا۔ کسی چُوڑے مسلّی کا جن لیتی، اس زانی کا
نطفہ نہ لیتی تو -) ''4(

اگر فتح شیر کی بیٹی صفورا کی زندگی پر نظر ڈالی جائے تو وہ بھی اپنی ماں کی طرح خاموشی سے حویلی کے ارد گرد ہونے والی سر گرمیوں کو دیکھتی تو رہتی ہے لیکن سوائے ایک اظہار تجسس کے وہ ان کے بارے میں کچھ نہیں جان سکتی۔ کیونکہ حویلی کے اندر والا سماج ایک الگ ہی حیثیت رکھتا ہے۔ جہاں بیٹیوں کو کسی معاملے میں بولنے کی اجازت نہیں۔ یہاں حویلی میں بہت سی خادمائیں اور خدمت گزار موجود ہیں اور ان کی مالکن سمیت ہر نسائی کردار کی آنکھیں اور کان کھلے ہونے کے باوجود زبانیں بند رکھنے پر مجبور ہے۔" صفورا" ا اپنی معصومیت اور تجسس کے باعث ایک انتہائی الم ناک انجام سے دوچار ہوئی۔ کو بھی اسی رسم کی بھینٹ چڑھایا گیا۔ جب یہ جاننے کے لیے کہ حویلی کے ساتھ والے ملازموں کے رہنے والے حصے میں ملازمائیں (عورتیں) کس غرض سے جاتی ہیں تو وہاں موجود ایک ڈکیت اور قاتل اسے بے خبری میں اپنی جنسی تسکین کا نشانہ بناتا ہے۔ فتح شیر جیسے عیاش انسان کے لیے یقیناً یہ ایک سبق ہونا چاہیے تھا لیکن وہ ایک ایسا بے حس انسان ہے جس کے سامنے ماسوائے اپنی آن بان اور مفادات کے اور کسی رشتے کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ جب حویلی میں یہ حقیقت کھلتی ہے کہ صفورا حاملہ ہے تو کہا جاتا ہے کہ یقیناً کسی نیک روح کا یہ عمل ہے۔ ملک فتح شیر اپنے خاندان کی شان و شوکت کو ہر قیمت پر بچانے کے لیے انتہائی بے رحمی اور سنگ دلی سے اپنی بیٹی کی جان لے کر خاندان کو بدنامی سے بچانے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ مشہور کر دیا جاتا ہے کہ صفورا کے پیٹ میں کسی نیک روح کا بچہ ہے اب اسے داتا کی نگری کے مقدس سفر پر روانہ کیا جائے گا۔ خاندان کی تمام عورتوں کو اس سفر کا بخوبی اندازہ ہے کہ اس کا مطلب صفورا کی جان لے کر اپنی شان و شوکت کو بدنامی سے بچانا ہے۔ عملی طور پر ایسا ہی ہوتا ہے کیونکہ راستے میں صفورا کو وہی ڈاکو موت کی گھاٹ اتارتا ہے جس نے اس رات صفورا کو اپنی ہوس کا نشانہ بنایا ہے تھا۔ معصوم صفورا اپنے سفاکانہ قتل سے پہلے اس مجرم کو پہچان لیتی ہے کہ یہ تو وہی شخص تھا جس کے پاس وہ غلطی سے چلی گئی تھی۔ صفورا کی معصوم موت اس جاگیر دارانہ معاشرت پر سیاہ دھبہ ہے :

''اپنی گردن اتارنے والے اپنے بھائی کے پروردہ ڈاکو کی آواز پہچان کر اس کے آخری الفاظ ہماری
سماعتوں میں گونجتے رہیں گے، یہ تو وہی ہے۔) '' 5(

نیلی بار کی معاشرت میں عورت بد قسمتی سے اپنی تمام تر معصومیت اور بے گناہی کے باوجود مجرم گردانی جاتی ہے۔ جبکہ اصل مجرم اسی طرح اپنے تمام تر گھناؤنے جرائم کے باوجود مسلسل براجمان رہتے ہیں۔ ملک فتح شیر جو دوسروں کی خواتین کی عزت کے ساتھ روزانہ کھیلتا ہے جب اس کے ساتھ خود یہ واقعہ پیش آتا ہے تو اس سے سبق سیکھنے کی بجائے وہ بے رحمی سے اپنی ہی بیٹی کو موت کی گھاٹ اتروا دیتا ہے۔" نیلی بار" میں عورتوں کے جائیداد میں حقوق سلب کرنے کو بھی موضوع بنایا گیا ہے۔ جاگیر دار کسی صورت جاگیر کا بٹوارہ برداشت نہیں کرتے لہذا خواتین کو ان کے جائز حصے سے محروم کرنے کے لیے عجیب و غریب رسومات کا سہارا لیا جاتا ہے۔ ان رسوم میں بیٹی یا بہن کا نکاح قرآن پاک سے کرنے کی غیر شرعی رسم ہے۔ جس میں ان خواتین کی ساری زندگی ویرانی اور دکھوں کی نذر ہو جاتی ہے

طاہرہ اقبال کی سب سے بڑی خوبی اس ناول کے حوالے سے یہ ہے کہ اس نے جاگیر دارانہ نظام میں عورت کی حالت زار کی سچی اور حقیقی تصویر پیش کی ہے۔ ان گھرانوں میں عورت کا وجود بالکل بے وقعت رہتا ہے۔ ایک طرف ان کی حویلیوں میں خادماؤں کی فوج ہوتی ہے جن سے یہ محض معمولی کھانے یا معاوضے کی عوض ساری زندگی ان سے محنت و مشقت طلب کرتے ہیں دوسری طرف ان کے گھر کی اپنی خواتین کو سختی سے حویلی کی چار دیواری کے اندر سات پردوں میں رہنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ اس نظام میں عورت کو ایک بے جان وجود سمجھا جاتا ہے۔ جس کے کوئی جذبات یا احساسات نہیں ہیں۔ اسے ساری زندگی خاندان کے مردوں کی غلامی میں ہی جینا ہے۔ اور اس سے فرار صرف موت کی صورت میں ہی ممکن ہے۔ ذیلداروں کی بیٹی بختاور ایک ایسی نسائیت کی مثال ہے جو اس مخصوص طبقے کی عورت کی بے بسی اور لاچارگی کو سامنے لاتی ہے۔ اس پر کی جانے والے سختی کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ اسے گھر کی کسی ملازمہ یا کسی لڑکی سے بات چیت کرنے کی اجازت میسر نہیں ہے۔ بختاور نے شائد ہی کسی مرد کو دیکھا ہو۔ وہ ایک

انتہائی معصوم اور حساس لڑکی ہے۔ گھر میں باپ کے سفاکانہ کردار نے اس کی ذات میں خوف ہی خوف بھر دیا ہے۔ وہ کسی بھی قسم کے اعتماد سے بالکل عاری ہے۔ بختاور کی ماں اس پر باپ کی طرف سے روا رکھی جانے والی سختی اور بے رحمی میں اس کی برابر کی شریک ہے۔ بختاور کے لیے شائد اس سے بڑی بدقسمتی یا جرم کیا ہو سکتا ہے کہ وہ ایک ذیلدار کے ہاں پیدا ہوئی جہاں عورتوں کا جذبائی استحصال کیا جاتا ہے۔ ان کے حکم سے معمولی سی روگردانی کو سرکشی خیال کیا جاتا ہے۔ ایک دن جب بختاور کو اس کی ماں اپنی ملازمہ سے بات کرتے دیکھ کر سختی سے ڈانٹتی ہے حتیٰ کہ وہ ڈر کے اناج کی بوریوں کے ذخیرے میں پناہ لیتی ہے۔ ذیلدار صاحب اپنی بیوی کی اس حرکت پر بہت خوش ہوتے ہیں اور اسے اس معاملے میں مزید تاکید کرتے ہوئے کہتے ہیں:

> ''رہنے وہ اسے ڈربے میں بند رہنے دو۔ سزا سے سزا کا خوف زیادہ کارگر ہوتا ہے۔ کل اسے کہنا کہ تم نے مجھے کچھ نہیں بتایا۔ لیکن آئندہ ایسی غلطی ہوئی تو پھر تم مجھے بتاؤ گی۔ اور اسے وہ سزا ملے گی کہ یاد رکھے گی تمام کام والیوں کو کان کر دو کہ اگر دوبارہ کوئی بختاور سے بات کرتے ہوئے پکڑی گئی تو تنور میں ڈلوا دیں گے۔(6)''

ذیلدار کے یہ الفاظ اس طبقے کے سماج میں عورت کے مقام کو ظاہر کرتے ہیں۔ یہ ایک ایسا سماج ہے جس کی معاشرت محض اپنا ناک بلند رکھنے پر یقین رکھتی ہے۔ بختاور کا کردار اسی مظلومیت، ڈر اور دہشت زدگی کی علامت ہے۔ جس کے ذہن میں ہر پل ایک ہی خوف ہے کہ اگر اس سے کوئی غلطی ہو گئی تو اس کا باپ اسے انتہائی سفاکی سے سزا دے گا۔ امیر زادی ہونے کے باوجود اس کی کوئی خواہش نہیں، وہ ہر طرح کی شوخی یا زندگی کی حرارت سے محروم کردار ہے۔ ملک فتح شیر کے الیکشن جیتنے کی خوشی میں ذیلدار کی حویلی میں بھی جشن منایا گیا۔ جشن میں شرکت کے لیے فتح شیر کا بیٹا عبدالرحمٰن بھی آیا۔ بختاور ایک لڑکی کے کہنے پر دروازے کے سوراخ سے عبدالرحمٰن کو دیکھنے کی کوشش کی اس دوران تو ذیلدار کی نظر اپنی بیٹی پر پڑی تو وہ سزا کے خوف و وحشت کے عالم میں اسی گودام میں جا کر چھپ گئی۔ جہاں شدید خوف و دہشت سے اس کی جان چلی گئی۔ اس کا سخت گیر باپ اس لمحے کہتا ہے:

> ''میری بچی میں تیرا بڑا شکر گزار ہوں تو نے مجھے کسی کمینے کے سامنے سر جھکانے پر مجبور نہیں کیا۔ تو نے مر کر مجھ پر بڑا احسان کیا ہے۔ اب میں باقی ماندہ زندگی سر اٹھا کر چلنے کے قابل رہوں گا۔ شکریہ میری بچی شکریہ۔) ''7(

جاگیرداروں کی اس معاشرت میں مرد کی مکمل حکومت ہوتی ہے وہ نسائی مسائل کی طرف معمولی سی بھی توجہ دینے پر تیار نہیں ہوتے۔ مرد کو یہاں بے پناہ حقوق حاصل ہیں۔ مگر عورت چاہے ان کے اپنے خاندان کی فرد ہو یا ملازمہ، ان کے لیے غلام یا پاؤں کی جوتی کی حیثیت رکھتی ہے۔ جب معصوم بختاور کا جنازہ اٹھتا ہے تو گھر کی ملازمہ ٹھروکے بین ہر دردمند انسان کا دل دکھاتے ہیں:

> ''ہائے ہائے ان محلوں سے بیٹیوں کے ڈولے نہیں اٹھتے۔ جنازے اٹھتے ہیں۔ انہیں لہو رنگ مہندی چڑھتی ہے۔ انہیں زخموں کے گہنے چڑھتے ہیں۔ ان کی کھاٹ کہار اٹھاتے ہیں۔ یہ ڈر کی سیج پر آپ پھاہی لگتی ہیں۔ یہ پردے کی چادر میں ڈر کی بکل مار کر چپ چپیتے مر جاتی ہیں۔)''8(

اس مخصوص معاشرت میں عورت کو اس لیے بھی سختی سے رکھا جاتا ہے کہ اس میں محض اطاعت اور فرماں برداری جیسی عادات ہی پیدا کی جائیں تاکہ اس میں بغاوت یا نافرمانی کا تصور ہی پیدا نہ ہو سکے۔ مرد اپنی دولت، اختیار اور طاقت کو عورت کو کچلنے اور اپنے تابع رکھنے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ یہ صورت حال بہت حد تک اس خطے کے پیر خانوں میں بھی دیکھی جا سکتی ہے۔ بظاہر مذہب اور پاکیزگی کا لبادہ اوڑھے زیادہ تر یہ نام نہاد پیر، مذہبی پیشوا یا رہنما حقیقت میں جاگیرداروں سے بھی بدتر ثابت ہوتے ہیں۔ ان پیر خانوں میں

مذہب کی آڑ میں جرائم پنپتے ہیں۔اور ان میں عورت کا بھی بدترین استحصال ہوتا ہے۔ان پیر خانوں کیا اخاص ماحول ہے۔طاہرہ اقبال نے نیلی بار میں ان نام نہاد پیر خانوں کا ایک حقیقی تجزیہ اور سچی تصویر قارئین کے سامنے پیش کی ہے۔جہاں ایک طرف لوگوں کی ضعیف الاعتقادی اور جہالت کا مظہر ہیں وہیں عورتوں کا بدترین جذباتی اور جسمانی استحصال کیا جاتا ہے۔اس مخصوص معاشرت میں پیر صاحب اور ان کے کارندے درگاہوں میں آنے والی معصوم عورتوں کی ضعیف الاعتقادی اور جہالت سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہیں۔چونکہ یہاں سب کچھ مذہب کی آڑ میں کیا جاتا ہے۔اسی لیے ان کی طرف انگلیاں تسبتاً کم اٹھتی ہیں۔

طاہرہ اقبال نیلی بار میں یہ تلخ حقیقت منظر عام پر لاتی ہیں کہ کیسے ان پیروں سے عقیدت رکھنے والے ہر طبقے کے لوگ اپنی نوجوان خوبصورت اور یہاں تک کہ کنواری لڑکیوں کو پیر صاحب کی نذر کر دیتے ہیں تاکہ ان کے کاروبار میں ترقی اور گھر میں دولت کی فروانی ہو۔انتہائی امیر گھرانوں کی خوبصورت لڑکیوں کو پیر صاحب اور پیر خانے کی خدمت کے لیے زبردستی بھیج کر انہیں یہ درس دیا جاتا ہے کہ ان کی خدمت گزاری کی وجہ سے ان کے نامہ اعمال میں بے شمار نیکیاں لکھی جائیں گی :

> ''ان کا گند چاٹنا دنیا اور آخرت کی سرخروئی،ان کے پیر کی مٹی میں مٹی ہو جانا، باطل کی روشنائی، ان کا تھوکا ہمارے کھانے سے افضل،اپنے اونچے لیکھوں وڈیائی کراسی کہ پیر خانہ کی خدمت تیرے بخت میں لکھ دی گئی۔تو پیروں کی نوکر ہوئی،اس سے افضل کوئی دوسرا درجہ اس جگ میں نہیں بنا آج تک۔)''9(

پیر خانوں میں ان بدقسمت عورتوں جسمانی مشقت لینے کے ساتھ اجنسی زیادتی کا نشانہ بھی بنایا جاتا ہے۔ان کے ذہنوں میں اٹھنے والے سوالات اور مذہبی شعور کو کچل دیا جاتا ہے۔ "عذرا" کا کردار اس کی مثال ہے جسے اس کے والدین پیر خانے میں خدمت کے لیے چھوڑ گئے۔وہا ایک امیر گھرانے کی خوبصورت اور باشعور لڑکی تھی۔جو اچھائی، برائی میں تمیز کرنا جانتی تھی۔اس کے گھر میں خدمت گزاری کے لیے نوکر چاکر تھے۔اس نے اجب پیر خانے میں جھاڑو پوچا اور برتن دھونے سے انکار کیا تو خدمت گزار عورتیں اسے کہتی ہیں کہ :

> ''لیکن پیر خانے کی خدمت ایک عبادت ہے ایک بھانڈا مانجا جیویں ایک نماز پڑھی،ایک جھاڑو لگایا جیویں تہجد ادا کی،ایک کپڑا دھویا جیویں فرض روزہ رکھا، مٹھی چاپی لی تو جیویں دس دن اعتکاف کی۔)'' 10(

پیر خانوں میں اپنی ذات یا انا کو ختم کر کے غلیظ ترین کام کرنے پر آمادہ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔یہاں عذرا جیسی کوئی لڑکی آجائے جو ان کے اندرونی بھیدوں سے یا ماحول سے آگاہ نہیں تو اس کے لیے یہاں سے فرار صرف موت کی صورت میں ممکن ہے۔عذرا بے چاری ایک ایسی معصوم اور پاکیزہ لڑکی ہے۔جس کے دل میں پیر صاحب اور پیر خانوں سے جڑے افراد کا تصور انتہائی مثبت اور پاکیزگی پر مبنی دکھائی دیتا ہے۔لیکن یہاں حقیقت میں ہر بات اس کے تصور سے الٹ ثابت ہوئی۔طاہرہ اقبال نے اس کردار کے ذریعے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ کیسے بدبخت اور ظالم والدین اپنی معصوم بیٹیوں کو ان بدکردار پیروں کے حوالے کر کے خود ہی اپنی بیٹیوں کے جسمانی اور جنسی استحصال کے سہولت کار بنتے ہیں۔عذرا آخر کار پیر خانے میں پیر صاحب اور ان کے گماشتوں کی ہوس ناک نگاہوں کا مرکز بنی تو اس معصوم لڑکی نے خود کو بچانے کے لیے بھاگنے کی کوشش کی مگر ناکام رہی اور موت کے منہ میں پناہ لی:

> ''وہ راسیں تڑاو کر جھروکے پر چڑھ گئی،اگرچہ بیسوؤں ہاتھ اسے گرفت کرنے کو پیچھے تھے لیکن بال برابر فرق رہ گیا تھا یا شائد کوئی پانچ انگلیوں کا دباؤ پڑ گیا تھا۔وہ سے کے بل گری تھی سر

یوں کھلا تھا کہ سفید سفید بھیجا اپنی ہتھیلی میں بند پودے کا پورا باہر آرہا تھا۔ جیسے تربوز کے دو ٹکڑے کر کے پورا گودا چاقو سے باہر نکال لیا جائے۔) "11(

عذرا کی الم ناک موت کے ذمہ دار اس کے والدین اور پیر خانے کے پیر صاحب، ان کے حواری ہیں۔ اس کے والدین کے لیے ان کی بیٹی کی عزت اور جان کی کوئی حیثیت نہیں وہ اس قدر بے حس اور جاہل ہیں کہ بیٹی کی دردناک موت پر نہ ہی کوئی سوال اٹھاتے ہیں اور نہ احتجاج کرتے ہیں۔ بلکہ انہیں خوف ہے کہ پیر صاحب کی ناراضگی کی وجہ سے ان پر کوئی مالی یا کاروباری عتاب نہ آجائے۔ لہذا وہ پیر صاحب کی خوشنودی کے لیے اپنی دوسری بیٹی بھی پیر خانے کی خدمت کے لیے بھیج دیتے ہیں۔ اس موقع پر عذرا کی ماں پیرنی جی کے سامنے انتہائی شرمندگی سے اپنی پہلی بیٹی کی حرکت کی معافی مانگتے ہوئے اس کے قدموں سے لپٹ کر کہتی ہے:

"ہم راندہ درگاہ ہو گئے، ہم دھتکارے گئے، ہائے اس جھلی نے ہمیں کہیں کا نہ چھوڑا۔ ہم دوزخ کا بالن ہوئے، معافی کا در بند ہوا، درگاہ معاف نہ کرے تو اللہ سائیں کیوں معاف کرے۔)"12(

ہر خطے میں ایک خاص سماجی، مذہبی، معاشی اور معاشرتی نظام ہوتا ہے۔ جس کے مطابق وہاں کے افراد اپنی زندگیاں گذارتے ہیں۔ اسی طرح ان ثقافتی اور مذہبی روایات کی پیروی کرنے میں وہ فخر محسوس کرتے ہیں۔ مزید برآں ہر معاشرے میں ایک خاص فلسفہ حیات اور اس کی روشنی میں ان کے عقیدے اور خاص طرز فکر لوگوں کی زندگیوں پر گہرے اثرات مرتب کرتا ہے۔ طاہرہ اقبال ایک حساس دل و دماغ کی مالک ہیں یہی وجہ ہے کہ انہوں نے عورت کی حالت زار اور اس کے ساتھ روا سلوک کے خلاف نہایت قوت سے اپنی آواز بلند کرنے کی کوشش کی ہے اور نسائیت سے وابستہ بے شمار سماجی اور معاشرتی مسائل کی عکاسی اس خاص سماجی پس منظر میں رہتے ہوئے کی جس کا تعلق اس خطے سے وابستہ افراد کی خاص طرز معاشرت اور روایات سے ہے۔ نیلی بار کے ذریعے جاگیرداروں، امرا اور نام نہاد درگاہوں میں عورت کے جسمانی، جنسی اور نفسیاتی استحصال کے خلاف آواز اٹھائی۔

**حوالہ جات**

ا۔ عمیر منظر "طاہرہ اقبال کے منتخب افسانے" نور پرنٹنگ پریس، نئی دہلی، 2012، ص7

2۔ طاہرہ اقبال "نیلی بار" دوست پبلی کیشنز اسلام آباد، 2017، ص49

3۔ ایضاً، ص45

4۔ ایضاً، ص63

5۔ ایضاً، ص83

6۔ ایضاً، ص95

7۔ ایضاً، ص94

8۔ ایضاً، ص318

9۔ ایضاً، ص319

10۔ایضاً،ص320

11۔ایضاً،ص321

12۔ایضاً،ص322